(غلام گردش)

فیصل رشید، عام سا آدمی ہرگز نہیں ہے!

فیصل رشید کے ساتھ نشست حد درجہ برجستہ اور سادہ تھی۔ یقین ہی نہیں آتا کہ ایک سادہ دکھائی دینے والا انسان برطانیہ کے ہاؤس آف کامنز کا ممبر ہے۔ برٹش پارلیمنٹ کا رکن ہے۔ برطانوی شہری ضرور ہے مگر اپنے پرانے وطن کی مٹی سے گندھا ہوا انسان ہے۔

فیصل سے میری پہلی ملاقات تھی۔ چند دوستوں کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ ذہن میں تھا کہ ٹیڑھا مونہہ کر کے اُردو اور انگریزی زبان بولنے والا ایک ایسا شخص ہوگا جس سے دل بہت جلدی اُکتا جائیگا۔ مگر معاملہ بالکل اُلٹ نکلا۔ سب سے زیادہ مسرت اس بات پر ہوئی کہ اسکے دل میں پاکستان کی محبت بھرپور طریقے سے موجزن تھی۔ حب الوطنی کا ثبوت وہ خواب تھے جو اپنے پرانے دیس یعنی پاکستان کے متعلق اسکی آنکھوں میں موجود تھے۔ ان خوابوں کی تعبیر کیا ہوگی، یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر فیصل جیسے نوجوان، مغرب میں رہنے کے باوجود، اپنے ملک کیلئے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کی طرح نہیں جو امریکہ اور لندن میں رہتے ہوئے ہر وقت اپنے پرانے دیس پر صرف تنقید کرتے رہتے ہیں۔ عملی طور پر کچھ نہیں کرتے۔ شائد کرنا ہی نہیں چاہتے۔ صرف باتیں کرنا جانتے ہیں۔ مگر یہ نوجوان ایم پی حقیقت میں آگ کا دریا پار کرنا چاہتا ہے۔

نشست میں ہر طبقہ فکر کے لوگ موجود تھے۔ اپنے اپنے شعبوں کے کامیاب ترین لوگ۔ ہر طرح سے ایک دوسرے سے مختلف۔ مگر فکری طور پر ملک کی بہتری کیلئے کوشاں رہنے میں حیرت انگیز طور پر یکساں۔ بات چیت کا سلسلہ مکمل طور پر غیر رسمی تھا۔ ہر شخص اپنا نقطہِ نظر تہذیب کے دائرے میں رہ کر دوسروں کے سامنے رکھ رہا تھا۔ محسوس کیا کہ فیصل باتیں کم کرتا ہے اور سنتا زیادہ ہے۔ اس سے پہلے کہ کچھ مزید عرض کروں، بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ فیصل پاکستان میں پیدا ہوا۔ یہیں پلا بڑھا۔ فیصل آباد کے لاسال سکول سے تعلیم حاصل کر کے لاہور آ گیا۔ یہاں ایک نجی ادارے سے ایم بی اے کرنے کے بعد لندن چلا گیا۔ پوچھ نہ پایا کہ یوکے کی سیاست میں کیسے داخل ہوا۔ بلکہ اصل سوال تو یہ بھی ہے کہ کیونکر اس مشکل مرحلے کو عبور کر پایا۔ سب کا گمان تھا کہ یوکے کی سیاست تو امیر طبقے کی لونڈی ہے۔ اس میں گورے اور کالے کی سیاسی تفریق بھی بدرجہ اَتم موجود ہوگی۔ چنانچہ کیسے ہوا، کہ ایک درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والا انسان سیاست میں آیا اور پھر ایک مشکل مرحلے سے لیکر دوسرے بلکہ تیسرے مشکل ترین مرحلے پر حاوی ہوتا گیا۔ فیصل نے سادہ الفاظ میں بتایا کہ وہ ایم پی بننے سے پہلے ایک شہر کا ڈپٹی میئر تھا۔ یوکے کے متعلق گزارش کرتا چلوں کہ وہاں تمام حکومتی اختیارات میئر اور ڈپٹی میئر کے پاس ہوتے ہیں جو ایک الیکشن کے زریعے اپنے عہدے پر فائز ہوتے ہیں۔ سرکاری طور پر ملکہ کا نمائندہ ہوتے ہیں۔ نچلی سطح کے تمام اختیار میئر اور اسکی ٹیم کی جیب میں ہوتے ہیں۔ پولیس اور دیگر محکمہ اسکے ماتحت ہوتے ہیں۔ مقامی سہولیات کو بہتر سے بہترین بنانا میئر اور ڈپٹی میئر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ٹیم کی اختیارات کے ساتھ ساتھ احتساب اور شفافیت بھی کمال درجہ کی ہوتی ہے۔ پبلک کے پیسوں میں ٹکے ٹکے کا حساب رکھنا میئر اور ڈپٹی میئر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ ہر وقت اسکا کردار لوگوں کی نظر میں پیہم رہتا ہے۔ عوام ہر گھڑی اپنے مقامی منتخب نمائندوں کی ہر طرح کی چھان بین کرتے رہتے ہیں۔ ہماری طرح نہیں کہ وزراء اعلیٰ نے رحم کھا کر اگر، مقامی حکومتوں

کا نظام قائم کر ہی دیا۔ عدالت عالیہ کے حکم کے تحت مجبوراً مقامی حکومتوں کے الیکشن کرواہی دیے۔ تو نہ انہیں اختیارات منتقل ہوئے اور نہ ہی وسائل۔ کونسلر اور لوکل سطح کے منتخب نمائندوں کو الیکشن کے زریعے منتخب تو کر لیا گیا۔ مگر اختیارات کے بغیر وہ صرف اور صرف ہزیمت اُٹھانے کے لیے رہ گئے۔ آپس کی چپقلش اور بے اختیاری نے سماجی تناؤ میں مزید اضافہ کر دیا۔ دراصل ہمارے سیاسی حکمرانوں کو کبھی لوکل گورنمنٹ کے نظام سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی۔ سابقہ حکمران تو صرف ایک فارمولے پر عمل پیرا تھے۔ اختیارات کی مکمل مرکزیت۔ ہر ایک کو اپنا محتاج بنانے کی روش۔ لوگوں کے مسائل کو حل کرنے کی جزوی کوشش کو بھی ایک احسان اور حکومتی تحفے کی شکل میں بدلنے کی کاریگری۔ ان دس سالوں میں اول تو مقامی حکومتیں بنی ہی نہیں۔ دو ایک برس پہلے جو کچھ ہوا، وہ ایک مذاق تو ضرور تھا۔ مگر بلدیاتی نظام ہرگز ہرگز نہیں تھا۔ شکر ہے فیصل رشید کو ابھی ان تمام کوتاہیوں کا علم نہیں۔ ورنہ اسکی خدمت کا صاف ستھرا جذبہ ماند پڑ سکتا تھا۔

یہ تو نہیں عرض کر سکتا کہ فیصل سے کوئی سوال و جواب کا سلسلہ ہوا۔ مگر یہ ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ اسکے خیالات جاننے کا موقعہ ضرور میسر آیا۔ وہ مقامی گورنمنٹ نظام کا سخت بلکہ کٹر حامی ہے۔ اسکا خیال ہے کہ ترقی کا اصل دروازہ مقامی نمائندے ہی کھول سکتے ہیں۔ یہ ایم پی اے اور ایم این اے کا کام ہی نہیں کہ گلیاں اور نالیاں ٹھیک کروائیں۔ سڑکیں بنوائے اور سولنگ لگوائے۔ پارلیمنٹ کے ممبران صرف اور صرف قانون سازی کیلئے ہیں۔ فیصل رشید پاکستان کے صحت کے نظام کو بہتر کرنے کی حیرت انگیز تجاویز دیتا ہے۔ ہر مہذب انسان کی طرح، وہ بھی یہی سوچتا ہے کہ تعلیم ٹھیک ہوگی تو معاشرہ سدھر جائیگا۔ لہذا جوہری نکتہ تعلیم کی بہتر سہولیات فراہم کرنے سے شروع ہوتا ہے اور اسی پر ختم ہو جاتا ہے۔ تعلیم، صحت اور لوگوں کے مسائل کو حل کرنے کا نام ہی حکومت ہے۔ بقول اسکے صرف اور صرف مقامی حکومتوں کا کام ہے۔

بتانے لگا کہ جس حلقہ سے ڈپٹی میئر بنا، وہ اکثریتی طور پر گوروں کا علاقہ ہے۔ پھر جہاں سے لیبر پارٹی کی جانب سے ایم پی بنا، وہ علاقہ بھی اکثریت طور پر سفید فام لوگوں پر مشتمل ہے۔ یہ ایک ایسا سچ ہے جسکو گہرائی سے جاننے اور پرکھنے کی ضرورت ہے۔ برطانیہ کے شہری جنہیں ہم میں سے اکثر لوگ، "نسل پرست" گردانتے ہیں، دراصل ہمارے درجہ کے بنیاد پرست نہیں ہیں۔ ہم تو فرقے، برادری، نسل، رنگ اور قبیلے کی بنیاد پر بٹے ہوئے گروہ ہیں، جنہیں بہت مشکل سے قوم کہا جاتا ہے۔ دل پر ہاتھ رکھ کر بتایئے کہ کیا ہمارے اہم عہدوں پر ایک خاص ذہنی اور مذہبی سوچ والے کے علاوہ، کسی مختلف انسان کو آنے کی اجازت ہے۔ صاحب، ہرگز نہیں۔ ہم اپنے آپکو برباد کر لینگے، بلکہ کر چکے ہیں۔ مگر اپنی ناک سے آگے دیکھنے کیلئے تیار نہیں۔ اگر بُرا نہ منائیں تو عرض کرنا چاہتا ہوں۔ جتنا تعصب ایک دوسرے کے متعلق ہمارے معاشرے میں ہے، وہ مغرب کی کسی بھی مہذب سوسائٹی میں سوچا تک نہیں جا سکتا۔ ہمارے ہاں تو ملازمین کے برتن تک الگ ہوتے ہیں۔ گھروں میں کام کرنے والے ہمارے مسیحی بھائی، کیا ہمارے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر کھانا کھانے کا تصور کر سکتے ہیں۔ اس طرح سوچنا بھی محال ہے۔

باہمی باتوں میں بہرحال ایک بات پر تو سب متفق تھے کہ 1977 تک کا پاکستان، آج کے ملک سے حد درجے مختلف تھا۔ لوگوں میں شعوری پختگی بھی تھی اور مخالف بات سننے کا حوصلہ بھی تھا۔ مذہب کو ریاستی امور سے کافی حد تک علیحدہ رکھا گیا تھا۔ لازم ہے کہ مذہب

اور سیاست میں بہت سے عناصر ایک جیسے تھے۔مگر رواداری بہت حد تک موجود تھی۔ ہر انسان کو کافی حد تک آزادی تھی کہ اپنی زندگی تہذیب کے دائرے میں رہ کر آرام سے گزار سکتا تھا۔مگر گزشتہ تیس چالیس برس میں پاکستان کی "مذہبی بنیاد" پر خوفناک "سوشل انجینئرنگ" کی گئی ہے۔پوری دنیا چیخ چیخ کر بتا رہی ہے کہ تم لوگ تمام دنیا سے متضاد ڈگر پر چل رہے ہو۔مگر ہمارے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ننانوے فیصد پاکستانی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا غلط کہہ رہی ہے۔ہم بلکہ صرف ہم ہی ٹھیک ہیں۔اسکے علاوہ ساری دنیا کے تمام معاملات کو درست کرنے کا ٹھیکہ بھی صرف اور صرف ہمارے پاس ہے۔جذباتیت اور تشدد پسندی، ہماری فکر کا حصہ بنا دی گئی ہے۔ہم ایک محدود فکری دائرے سے باہر نکل کر سوچنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔خیال ہے کہ ہماری سوچ بے حد محدود کر دی گئی ہے۔کوئی حکمران جرات نہیں کر سکتا کہ پورے سماج کی سوشل انجینئرنگ کے عمل کو ختم کرے۔معاشرے کو جدید فلاحی ریاست بنانے کی کوشش کرے۔ذاتی خیال ہے کہ جو حکمران یہ سوچنے کی بھی جرات کریگا، اسکی حکومت دنوں میں نہیں، منٹوں سیکنڈوں میں گرا دی جائیگی۔اسکے بعد اسکے ساتھ ہمارا نظام کیا کریگا، سوچتے ہوئے بھی خوف آتا ہے۔فیصل رشید بتانے لگا کہ خود تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یوکے جا کر سب سے برگزیدہ ایوان کا حصہ بننے میں کامیاب ہو جائیگا۔مگر برطانوی نظام میں کافی حد تک انصاف موجود ہے۔محنت کو سپھل بنانے کا گُر مغربی معاشرہ بخوبی جانتا ہے۔اسی محنت کا جیتا جاگتا ثبوت ہمارا یہ نوجوان پاکستانی ایم پی ہے۔

ایک گھنٹہ کی نشست دو گھنٹے تک طویل ہو گئی۔سب لوگ دل سے باتیں کر رہے تھے۔دل سے کہی ہوئی باتوں میں سچ تو خیر ہوتا ہی ہے۔مگر گفتگو حد درجہ توانا ہو جاتی ہے۔فیصل رشید کے ساتھ یہ دو گھنٹے لمحے سے بن گئے۔پتہ ہی نہیں چلا کہ اتنا وقت ہو چکا ہے۔نشست چلتی رہتی اگر اسے کسی دوسری جگہ کھانے پر نہ جانا ہوتا۔آج ایک عجیب سی خوشی ہے۔ہمارے ملک کا ایک نوجوان، برطانیہ میں ضلعی حکومتوں سے ترقی کرتا کرتا ہاؤس آف کامنز کا رکن بن جائے، اس سے بڑھ کر ہمارے لیے اور اعزاز کیا ہوگا۔ایک بات اور، یہ نوجوان ہے تو برطانوی سیاست کا کھلاڑی۔مگر اپنے اصلی وطن یعنی پاکستان کیلئے بھی مثبت کام کرنا چاہتا ہے۔یقین ہے، خدا، فیصل رشید کے نیک عزائم کو پایہ تکمیل تک ضرور پہنچائے گا۔وہ حد درجہ کامیاب ہوگا۔فیصل رشید عام سا نظر آنے والا نوجوان ضرور ہے، مگر عام سا آدمی ہرگز نہیں ہے!

راؤ منظر حیات